حنیف احمد محمود-برطانیہ

✿✿✿ تقریر ✿✿✿

تقریر بابت سیرت رسولؐ

وقت 5-7 منٹ

"یہ بزرگ میرا محمدؐ تھا اور اہل مجلس اس کے صحابہؓ تھے"

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک دلنشین منظر

(از افاضات حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ)

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب:57)

یقیناً اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم بھی اس پر درود اور خوب خوب سلام بھیجو۔

ہیچ محبوبے نماند ہمچو یار دلبرم
مہر و مہ را نیست قدرے در دیارِ دلبرم
آں کجا رُوئے کہ دارد ہمچو رُویش آب و تاب
واں کُجا باغے کہ مے دارد بہارِ دلبرم

(براہین احمدیہ، روحانی خزائن جلد اول صفحہ 597-598 حاشیہ)

کہ میرے محبوب جیسا کوئی نہیں ہے۔ اس کے ہاں چاند اور سورج کی بھی کوئی قیمت نہیں۔ ایسا چہرہ کہاں کہ اس جیسی آب و تاب رکھتا ہو اور ایسا باغ کہاں جو میرے محبوب جیسی بہار رکھتا ہو۔

معزز سامعین! میری آج کی تقریر کا موضوع "حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک دلنشین منظر" ہے جو کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ایک خوبصورت تحریر سے لیا گیا ہے۔

حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ تحریر فرماتے ہیں:

دن کا وقت تھا مجلس میں چاروں طرف خاموشی تھی۔ ایک بزرگ ہستی جس کا چہرہ ایک بقعۂ نور تھا اور جس کے پاکیزہ جسم سے نہایت تیز مقناطیسی شعائیں نکل نکل کر اس کے ہم جلیسوں کے دلوں کو مسحور کر رہی تھیں مجلس کے درمیان بیٹھا تھا۔ وہ مقناطیسی شعائیں جو اس کے جسم سے نکل رہی تھیں دو قسم کی تھیں۔ ایک محبت پیدا کرنے والی تھیں اور دوسری رعب۔ جن لوگوں کے دلوں کی کھڑکیاں کھلی تھیں وہ شعائیں ان کے اندر داخل ہو کر عجیب کیفیت پیدا کر رہی تھیں۔ ایک طرف جذبۂ محبت تھا جو بچہ کی ماں سے محبت کی نسبت سے بھی زیادہ ناز اور والہیّت پیدا کر رہا تھا۔ دوسری طرف جذبۂ رعب تھا کہ سلاطین و ملوک سے بھی زیادہ ادب و نیاز کا احساس پیدا کر رہا تھا۔ محبت کہتی تھی اس چہرے کو دیکھے جا۔ ادب کہتا تھا آنکھیں نیچی رکھ۔ ناز کا اصرار تھا کہ باتیں کر اور کرتا ہی جا۔ نیاز کہتا تھا خاموش رہ اور کان رکھ۔

سامعین! یہ منور وجود اور مقدس ہستی سادگی اور بے نفسی میں اپنی مثال آپ تھی۔ بادشاہانہ رعب تھا مگر فقیرانہ لباس۔ سلاطین سے بڑھ کر دبدبہ تھا مگر مسند شاہی کی جگہ ایک معمولی سا کپڑا اپنے نیچے بچھا ہوا تھا۔ اس میں اور اس کے ساتھیوں میں کچھ فرق نہ تھا بلکہ ان میں سے کئی کا لباس اس کے لباس سے بہتر تھا۔

خدا تعالیٰ نے جس طرح باطنی کمالات اُس بزرگ کو دیے تھے ظاہری خوبیاں بھی موجود تھیں۔ جس کی بناوٹ میں کوئی ایسا نقص نہ تھا کہ دیکھنے والے کو گھن آئے بلکہ مردانہ حسن وخوبصورتی سے اسے وافر حصہ ملا تھا جس کی وجہ سے انسان چہرے کو دیکھتے ہی ادب و محبت محسوس کرنے لگتا تھا۔ سچ ہے کہ خیالات انسان کے چہرہ پر بھی اثر ڈالنے لگتے ہیں۔ اُس بزرگ کا چہرہ ان تمام اندرونی نوروں کا شاہد تھا جو اس کے دل میں ایک وسیع سمندر کی طرح موجزن تھے۔ اس کا قد میانہ اور رنگ خوبصورت اور سفید تھا۔ اس کے بال نہ تو گھنگریالے تھے نہ بالکل سیدھے، رنگ کے لحاظ سے وہ کسی قدر سنہری تھے۔ اُس کا جسم بہت ملائم تھا اور اس میں سے خوشبو آتی تھی۔ اُس کا سینہ چوڑا تھا اور کندھوں کے درمیان بہت فاصلہ تھا جو وسعتِ حوصلہ اور سادگی طبیعت پر دلالت کرتا تھا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں موٹے موٹے تھے اور ہتھیلیاں بہت چوڑی تھیں جو ایک طرف شجاعت پر اور دوسری طرف سخاوت پر دلالت کرتی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ بات کرتا تھا اور مخاطب کے احساسات کا بہت ہی لحاظ کرتا تھا۔ اُس کے ماتھے پر شکن نہ تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ جوش میں آنے کا کبھی عادی نہیں ہوا۔ وہ ہمیشہ مسکراتا تھا۔ مگر لا اُبالی متوالے انسان کی مسکراہٹ نہیں جو اُسے اچھا مجلسی تو ثابت کرتی ہے مگر قابلِ اعتبار دوست نہیں بلکہ اس کے ہونٹوں پر ایک سنجیدہ اور افسردہ مسکراہٹ کھلتی تھی جو اُسے اور بھی پیارا بنا دیتی تھی کیونکہ اس کے خفیف شکنوں پر صاف صاف لکھا ہوا نظر آتا تھا کہ اُس مسکراہٹ کی غرض دوسروں کی دلداری اور دل جوئی ہے ورنہ غم خواری اور ذمہ داری نے اُس کے دل کو درد و الَم کا مخزن بنا رکھا ہے۔ ابھی ابھی کا واقعہ ہے کہ بیماری کی وجہ سے وہ خانۂ خدا میں نہ جاسکا۔ اُس کے اصحاب جو اس کی خفیف سی تکلیف کو بھی برداشت نہ کر سکتے تھے اور اس کی تھوڑی سی جدائی کی بھی طاقت نہ رکھتے تھے گھبرا گئے۔ ایک اور شخص عبادت کے لیے کھڑا ہوا۔ اُس کا کھڑا ہونا تھا کہ عبادت گھر آہ وبکا کے شور سے گونج اٹھا۔ مرغِ بسمل اس طرح نہیں تڑپتا جس طرح میدانِ جنگ کے شیر اور صف شکن بہادر کرب واضطراب سے بے تاب ہو رہے تھے۔ آنسو تھے کہ ان کی تار نہ ٹوٹتی تھی۔ سینے تھے کہ اُبلنے والی ہنڈیا کی طرح کھول رہے تھے۔ وہ سہارا لے کر اٹھا دوسروں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑکی تک آیا حالانکہ اُس میں کھڑا ہونے کی طاقت نہ تھی۔ اُس نے کھڑکی کا پردہ ایک طرف کیا اور عبادت گھر کی طرف سر جھکا کر مسکرایا۔ اُس کی مسکراہٹ نے لوگوں کو وارفتہ کر دیا۔ وہ بے اختیار ہو کر نعرہ ہائے مسرت مارنے لگے۔ اُس نے پھر اپنا سر اندر کر لیا۔ لوگ خوش تھے مگر آہ! اُنہیں کیا معلوم تھا کہ اُس ذرا سی مسکراہٹ کے پیدا کرنے کے لیے اُسے کس قدر جذبات درد والم کو محسوس کرنا پڑا۔ اے مقدس وجود! میری جان تجھ پر قربان۔ میرا دل تجھ پر نثار ہو۔ تو نے موت کی آخری کشمکشوں میں بھی دوسروں کی ادنیٰ خوشی کو مدنظر رکھا۔

سامعین! حضورؓ آگے تحریر فرماتے ہیں:

ہاں! تو آج بھی ان لوگوں کے چہرے افسردہ نظر آتے تھے مگر اُس کے چہرے کی بشاشت قائم تھی۔ وہ انہیں اپنی آنے والی جدائی کے لیے تیار کر رہا تھا اور جس طرح آہن گر تلوار کو مکمل کر کے آخری دفعہ اُسے صیقل کرتا ہے وہ بھی اپنے اصحاب کے دلوں کو آخری دفعہ جِلا دے رہا تھا۔ وہ اُن کے سامنے سب ضروری سبق دہرا رہا تھا۔ وہ خدا تعالیٰ کے جلال اور اُس کی عظمت کے سبق اُن کے دلوں میں تازہ کر رہا تھا۔ اُس کی محبت کا ولولہ اُن کے دلوں میں پیدا کر رہا تھا۔ ثبات واستقلال کی تعلیم دے رہا تھا۔ عورتوں سے حُسنِ سلوک، غریبوں کے حقوق کی نگہداشت، یتیموں کی امداد، غلاموں کی آزادی کی تحریک، شکستہ دلوں کی دلدہی، قرضداروں کی اعانت، مسافروں کی ساتھ حسنِ سلوک، رعایا کی بہتری کی کوشش، غیر مذاہب والوں کے جذبات کا احترام، اخلاقِ فاضلہ کا قیام، عدل وانصاف کا اسباب، غرض دنیا کی ہر ایک نیکی کی تعلیم اور ہر ایک بدی سے بچنے کی ہدایت وہ دے رہا تھا۔ مگر اپنے اور اپنے بیوی بچوں کا ذکر وہ بالکل حذف کر جاتا۔ گویا اُس وقت دنیا اپنی ساری تفاصیل کے ساتھ اُس کے سامنے موجود تھی مگر وہ اور اُس کا گھرانہ بالکل غائب تھے۔ مگر نہیں۔ مَیں غلطی کرتا ہوں وہ کبھی کبھار اپنا ذکر بھی کرتا تھا مگر اس لیے نہیں کہ اپنے مخاطبوں سے اپنی قربانیوں کی داد طلب کرے، اپنی فدائیت کا صلہ مانگے یا اپنے رشتہ داروں کی سفارش کرے۔ نہیں! بلکہ اِس کے بالکل مخالف وہ کبھی کبھی بات کرتے کرتے رک جاتا اور اُس کے چہرہ پر انتہائی کرب واضطراب کے آثار پائے جاتے تھے۔ اُس کے دل سے ایک آہ نکلتی تھی۔ ایسی آہ جس کی گہرائی کا اندازہ لگانا انسانی طاقت سے بالا ہے۔ وہ کچھ دیر خاموش رہ کر بولتا اور اُس کی آواز جذباتِ غم کا ایک ایسا ہیجان ظاہر کرتی جس کے مقابلہ میں سمندر کے تلاطم بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ وہ مضطربانہ طور پر کہتا کہ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ اُنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔ ان فقروں کے بولتے وقت اُس کی کیفیت عجیب ہوتی تھی۔ وہ حسرت وغم کا مجسمہ بن جاتا اور درد والم کی تصویر۔ بالکل یوں معلوم ہوتا تھا کہ اُس کی آواز کی ایک ایک لہر کے ساتھ بے تعداد تمنائیں اور التجائیں لپٹی ہوئی ہیں۔ وہ اپنی تمام عمر کی خدمات اور قربانیوں کا آخری بدلہ مانگتا ہے۔ کیا بدلہ؟ یہ کہ اُس کی قبر کو شرک کی جگہ نہ بنالیا جائے۔ اُس کی آواز غم والم میں اس طرح ڈوبی ہوئی نکلتی تھی کہ گویا اُس کی اور اُس کے خاندان کی تمام بہبودی صرف اس سوال کے جواب میں پوشیدہ ہے۔ وہ اپنے لیے صرف یہ مانگتا تھا کہ اُسے پیدا کرنے والے کی عزت چھین کر اُسے نہ دی جائے۔ میری جان اُس پر فدا اور میرا دل اُس پر قربان ہو۔ وہ کیسا وفا شعار تھا۔

سامعین! حضورؓ پھر آگے تحریر فرماتے ہیں:

مَیں پھر اپنے مطلب سے دور چلا گیا۔ مَیں کہہ رہا تھا کہ ایک دن وہ اپنے آنے والی جدائی کے برداشت کرنے کے لیے اپنے احباب کو تیار کر رہا تھا اور اپنی پاکیزہ تعلیم کے خوشنما آثار پر پھر ایک دفعہ تکرار کے خطوط کھینچ کر انہیں جِلا دے رہا تھا۔ آخر اس نے سمجھا کہ اُس کا کام ختم ہو گیا ہے۔ وہ اپنا مقصد پورا کر چکا ہے۔ اُس وقت اُس کے اصحاب کی کیفیت عجیب تھی۔ اگر کبھی بھی انسان کا گوشت اور پوست جذبات و احساسات کی شکل میں بدل گیا ہے تو اُس وقت اُس کے اصحاب کا یہی حال تھا۔ وہ مجسم احساس بن رہے تھے۔ ان کا گوشت بھی احساس بن رہا تھا اور پوست بھی اور ہڈیاں بھی اور اُن کے اندر کا گودا بھی۔ وہ مغز بن گئے تھے بغیر چھلکے کے اور خوشبو بن گئے تھے بغیر پتیوں کے۔ وہ نفوس قدسیہ تھے جو مادہ کی حد بندی کو توڑ چکے تھے اور بلند پرواز طائر تھے جو زمین کی کثافتوں سے بالا ہو چکے تھے۔ اُس نے اُن کی طرف دیکھا اور کہا کہ مَیں بھی ایک انسان ہوں جس طرح تم انسان ہو۔ مجھے ہمیشہ تم سے معاملات پیش آتے رہتے تھے۔ بالکل ممکن ہے کہ کبھی میرے ہاتھ سے کسی کو کوئی اذیت پہنچی ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ قیامت کے دن خدائے قادر کے سامنے مجھے جوابدہ ہونا پڑے۔ بس جس کو میرے ہاتھ سے کوئی اذیت پہنچی ہو وہ آج مجھ سے بدلہ لے لے۔

یہ فقرے گویا اُس کے اصحاب کی کمر توڑنے کے لیے آخری تنکا تھے۔ اُن کے دل پگھل گئے اور آنکھیں ساون کی جھڑی کی طرح برس پڑیں۔ اُن کا پیار جس نے اپنی عمر دنیا کو اذیت سے بچانے کے لیے اور غلامی سے چھڑانے کے لیے خرچ کر دی وہ اور اُس کے ہاتھ سے کسی کو اذیت پہنچی ہو۔ وہ اور اُس سے کوئی شخص بدلہ لینے کا خیال کرے۔ اگر چاند تک بچہ کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے یا اگر انسانی آنکھ عالم کی انتہا تک پہنچ سکتی ہے تو بے شک اس سر تا پا نور کا بھی عیب کسی کو نظر آسکتا ہے مگر جب یہ حقیقت ہے کہ چاند میں داغ ہیں مگر اس مطہر وجود کی زندگی داغوں سے پاک ہے تو پھر اس سے بدلہ لینے کے معنی ہی کیا ہوئے؟ سورج چمک رہا تھا مگر اس کی شعائیں دھندلی نظر آنے لگ گئیں۔ ہوائیں چل رہی تھیں مگر اُن پر ایک سکوت کا سا عالم طاری ہو گیا۔ درخت ہل رہے تھے مگر ایسا معلوم دینے لگا کہ گویا وہ ٹھہر گئے ہیں۔ پرندے گا رہے تھے مگر ایسا محسوس ہوتا تھا گویا ان کے گانے میں خاموشی کی لہریں پیدا ہو رہی تھیں۔ سب لوگ محو حیرت ہی تھے کہ ایک شخص بولا۔ حضور! ایک جنگ کے موقع پر آپ صف بندی کر رہے تھے کہ ایک صف سے گزر کر آپ کو آگے جانے کی ضرورت پیش آئی۔ آپ جس وقت صف کو چیر کر آگے گئے تو آپ کی کہنی میری پیٹھ کو لگی۔

ہر ایک جو محبت و عشق کا مزا جانتا ہے سمجھ سکتا ہے کہ اس وقت مجلس کا کیا حال ہو گیا ہو گا۔ تمام حاضرین پر ایک سناٹا چھا گیا۔ کئی منچلوں کی تلواریں میانوں سے نکل نکل پڑتی تھیں۔ آنکھیں شرر تھیں مگر دم مارنے کا یارا نہ تھا۔ ہونٹ پھڑ پھڑاتے تھے مگر بولنے کی طاقت نہ تھی۔ دماغ پر جوش وغضب کا تسلط ہو رہا تھا مگر اظہار کی جرات نہ تھی۔ سورج اُسی طرح چمک رہا تھا مگر محبت کی آنکھ سے دیکھنے والوں کو یوں نظر آیا جیسے اُس کی شعائیں تیز ہو گئی ہیں اور اُس کی دھوپ سرخ ہو رہی ہے اور دنیا کو جلانے کے لیے تیار ہے۔ ہوائیں اُسی طرح چل رہی تھیں مگر یوں معلوم دینے لگا گویا اُن کی رفتار میں تیزی پیدا ہو گئی ہے اور وہ دنیا کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ درخت اُسی طرح ہل رہے تھے مگر نظریوں آتا تھا کہ گویا وہ ابھی زمین سے اُکھڑ کر جا پڑیں گے۔ پرندے ویسی ہی میٹھی آواز سے گا رہے تھے مگر محبت کے کان ایک پھاڑ دینے والا شور سن رہے تھے جو دوزخ کی چیخ کے مشابہ تھا۔ غرض سب مجلس میں کیا متکلم اور کیا سامع سب کے دلوں میں ایک ہیجان برپا تھا اور ہر ایک کی قلبی کیفیت کے متعلق مطابق عالَم میں بھی ایک تغیّر نظر آرہا تھا۔ مگر ایک شخص اُن سب ہیجانوں سے بالا تھا اور وہ وہی بزرگ نفس انسان تھا جس نے ہر اُس شخص کو بدلہ لینے کی دعوت دی تھی جسے اُس کے ہاتھوں سے کوئی نقصان پہنچا ہو۔ اُس نے نہایت متانت اور خوشی سے جواب دیا کہ میں بیٹھا ہوں میری پیٹھ پر کہنی مار لو۔ حاضرینِ مجلس کے دماغ جوشِ غضب سے اُبل رہے تھے مگر وہ کچھ نہ کہہ سکتے تھے۔ یقیناً خدا کے فرشتے اُس وقت خدا کی حمد گا رہے تھے جس نے اُس رسول کو پیدا کیا تھا۔

وہ شخص جس نے بدلہ کا مطالبہ کیا اُٹھا اور اُس نے کہا کہ جناب! جس وقت مجھے آپ کی کہنی لگی تھی اس وقت میرا جسم ننگا تھا پس بدلہ پورا نہیں ہو سکتا جب تک آپ کے جسم پر سے کُرتا نہ اتارا جائے۔ اُس بزرگ نے فوراً اپنی پیٹھ پر سے کُرتا اونچا کر دیا کہ لو اب کہنی مارو۔

اُس وقت لوگوں کے دلوں کی حرکت بند ہو گئی اور دنیا ایک عالمِ خموشاں نظر آنے لگی۔ ہر ایک شخص حیران تھا کہ وہ شخص جو بدلہ کے لیے آمادہ تھا کیا دیوانہ ہے؟ اگر اُس بزرگ کا ڈر نہ ہوتا تو اُس وقت اُس شخص کی ایک بوٹی بھی نظر نہ آتی۔ مگر اُس کے ثبات میں بھی کچھ فرق نہ آیا۔ اُس نے لوگوں کے غصے کی بھی پرواہ نہ کی۔ وہ اُٹھ کے اُس بزرگ کے پاس آیا اور پیٹھ کی طرف جھکا۔ اُس کے چہرے کے اعصاب اُس وقت پھڑک رہے تھے۔ اُس کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس کے نتھنے پھول رہے تھے۔ وہ نیچے جھکا اور اُس بزرگ کی ننگی پیٹھ کو ادب سے اپنے ہونٹوں سے چھوا۔ اُس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور خدا کی حمد بجالاتا ہوا وہ کھڑا ہو گیا۔ وہ آنسو جذبہ عشق کے آنسو تھے۔ اُس نے کہا حضور! کجا بدلہ اور کجا یہ خادم! جس وقت حضور سے معلوم ہوا کہ شاید وہ وقت قریب آپہنچا ہے جس کے خیال سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تو مَیں نے چاہا کہ میرے ہونٹ ایک دفعہ اس بابرکت جسم کو مَس کر لیں جسے خدا تعالیٰ نے برکتوں کا مجموعہ بنایا ہے۔ پس مَیں نے اس کہنی کو اپنے مقصد کے پورا

کرنے کا ذریعہ بنایا جس کا لگنا اُس وقت بھی میرے لیے موجب فخر تھا اور آج بھی۔ جماعت پر سے حیرت دور ہو گئی۔ تعجب کی سختی جاتی رہی اور دل پھر نرمی سے حرکت کرنے لگے۔ کئی دماغ جو پہلے غصے کے خیالات سے لبریز تھے اب رشک کے جذبہ سے معمور ہو گئے۔ سورج ابھی بھی چمک رہا تھا مگر اس کی روشنی بہت خوبصورتی اور محبت کی بجلی سے بھری ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ ہوائیں اب بھی چل رہی تھیں مگر اب ان میں دیارِ محبت کی خوشبو ملی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ درخت اب بھی ہل رہے تھے مگر اب ان کی حرکات خوشی کے ناچ کے مشابہ لگتی تھیں۔ پرندے ابھی بھی گا رہے تھے مگر یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ حمد و ثنا کے گیت گا رہے ہیں۔ مجلس میں افسردگی کے باوجود خوشی کی ایک لہر دوڑ رہی تھی۔ اس کا سبب جذبہ عشق کا وہ مظاہرہ تھا جو اوپر بیان ہوا ہے۔ اُس بزرگ کے ہونٹوں پر اسی طرح مسکراہٹ تھی اور مسکراہٹ کے پیچھے ایک بار الم و غم تھا۔

یہ بزرگ میر احمدؐ تھا اور اہل مجلس اس کے صحابہؓ تھے۔

(ماہنامہ مصباح فروری 2011ء، الفرقان سیرت نمبر جنوری 1957ء صفحہ 9-13)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

(کمپوزڈ بائی: عائشہ چوہدری۔ جرمنی)

✡✡✡✡